# شیخ عبدالرحمٰن مصری کے ایک اشتہار کا جواب

(فرمودہ ۱۶ جولائی ۱۹۳۷ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

کل مجھے ایک اشتہار ملا ہے جو شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ اس میں جماعت احمدیہ کو خطاب کیا ہے اور اس اشتہار کی ابتدا قرآن کریم کی ایک آیت سے کرتے ہیں جو یہ ہے وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى[1] یعنی کسی قوم کی دشمنی اور عداوت تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے اور نہ اُکسائے کہ تم عدل کو چھوڑ دو۔ چاہئے کہ عدل کرو یہ تقویٰ کے بہت قریب ہے۔

اس کے بعد جماعت احمدیہ سے گلہ کیا ہے کہ کیوں بغیر تحقیق کے شیخ صاحب کے خلاف اس نے ریزولیوشنز پاس کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ جماعت کے دوستوں کو چاہئے تھا پہلے تحقیقات کرتے اور پھر کوئی رائے قائم کرتے۔ اور پھر بتایا کہ جماعت کو دھوکا دیا گیا ہے کہ گویا مصری صاحب اپنے اثر و رسوخ کی بناء پر خلیفہ کو دھمکی دیتے ہیں اور اس طرح جماعت میں اشتعال پیدا کر دیا گیا ہے اور ان کو مرتد، منافق، فاسق، فتنہ پرداز، بدباطن وغیرہ الفاظ سے یاد کیا جانے لگا ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ میں نے بڑائی کا کوئی دعویٰ نہیں کیا میرے تینوں خطوط اس قسم کے دعویٰ سے خالی ہیں بلکہ میرے خطوط میں تو عجز و انکسار کا اظہار ہے۔ اور پھر اپنے وہ الفاظ نقل کئے ہیں جو الفضل میں درج ہو چکے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان سے غلط نتیجہ نکالا گیا ہے۔ میں نے ان الفاظ میں اپنی کسی شان کا اظہار نہیں کیا بلکہ عاجزی کا اظہار کیا

ہے۔ اور پھر وہی شکایت کرتے ہیں جس کا ازالہ میں پچھلے خطبہ میں کر چکا ہوں۔ یعنی یہ کہا جاتا ہے کہ میں نے لکھا تھا کہ میں جماعت سے علیحدہ ہو جاؤں گا۔ حالانکہ میں نے جماعت سے نہیں بلکہ بیعت سے الگ ہونے کا لکھا تھا۔ اور پھر اس امر پر بحث کرتے ہیں کہ بیعت سے خارج ہونا جماعت سے خارج ہونا نہیں اور اس کی مثال یہ دیتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے چھ ماہ تک حضرت ابوبکرؓ کی بیعت نہیں کی تھی۔ مگر کون کہہ سکتا ہے کہ اُس وقت وہ مسلمان نہیں رہے تھے۔ اسی طرح بعض اور صحابہ کی مثالیں دی ہیں۔ پھر جماعت سے اپیل کرتے ہیں کہ یہ پُرفریب طریقہ خلیفہ نے اس لئے اختیار کیا ہے کہ لوگوں کی توجہ مصری صاحب کی طرف نہ ہو سکے اور جماعت ان کے براہین پر غور نہ کرے۔ اور پھر لکھتے ہیں کہ صحیح طریق یہ تھا کہ جب میں نے الزام لگائے تھے تو خلیفہ کو لازم تھا کہ ایک آزاد کمیشن بٹھاتے مگر اس کی بجائے جماعت سے میرے اخراج کا اعلان کر دیا گیا۔ پھر کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا طریق یہ تھا کہ جب انہیں کوئی شکایت ہوتی وہ خلیفہ کے پاس جاتے اور اپنی شکایات پیش کرتے اور خلیفہ عَلَی الْاِعْلَان اپنی غلطی کا اعتراف کرتا اور آئندہ کیلئے اس سے رجوع کرتا تھا۔ اور پھر آخر میں یہی لکھتے ہیں کہ ایک آزاد کمیشن مقرر ہونا چاہئے جو تحقیقات کرے اور اپیل کرتے ہیں کہ دوستو! اُٹھو اور مومنانہ جُرأت سے کام لو، اِس میں خلیفہ کی اجازت کی ضرورت نہیں۔

یہ خلاصہ ہے ان کے اشتہار کا اور جنہوں نے پڑھا ہے، پڑھا ہی ہوگا۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس سارے اشتہار میں یا اس سے کسی پہلے اشتہار میں یہ نہیں بتایا کہ مَیں الزام کیا لگاتا ہوں۔ یہ تو ہے کہ اُٹھو، دوڑو، فکر کرو، سب ہی کچھ کرو مگر الزام تم خود ہی دریافت کرو اور تحقیقات بھی خود ہی کرو۔ کیا کوئی عقلمند مصری صاحب کی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ وہ کہتے ہیں میں الزام تو ایسے لگاتا ہوں کہ جن کی موجودگی میں انسان بیعت میں نہیں رہ سکتا اور انہی کی وجہ سے میں جماعت سے نکل گیا ہوں مگر میں ان کا ذکر نہیں کرتا، تم لوگ خود ان الزامات کی تحقیق کرو۔ میں الزام خود نہیں بتاؤں گا تمہیں چاہئے کہ خود تلاش کرو۔ بھلا کون ایسا پاگل ہوگا کہ الزام لگانے والا تو کوئی بیان نہیں دیتا، کوئی ثبوت نہیں دیتا اور یہ خود سب باتوں کی تحقیقات کرتا پھرے۔ تحقیقات کرنا تو انسانی فطرت میں داخل ہے۔ ہر انسان جج ہے۔ جب وہ کوئی بات سنتا ہے تو اس کی تحقیقات میں لگ جاتا ہے، اس کی کوئی نہ کوئی بناء قائم کرتا ہے اور پھر اس کے متعلق کوئی نہ کوئی فیصلہ کرتا ہے اور یہ روزمرہ ہوتا ہے۔ ہر انسان کے دماغ میں اللہ تعالیٰ نے ایک جج بٹھا دیا

ہے مگر مصری صاحب کا طریق بالکل نرالا ہے جو حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک کسی نے اختیار نہ کیا ہوگا۔ وہ کہتے ہیں کہ الزام بھی خود ہی دریافت کرو اور تحقیقات بھی خود ہی کرو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ الزامات بیان کرتے وقت ان کو کوئی معیّن کہانی بیان کرنی پڑے گی۔ ممکن ہے اعتراضات کی بوچھاڑ ہو تو پھر اس کہانی میں کسی تبدیلی کی ضرورت پیش آئے۔ یا اس کو بالکل چھوڑ دینا مناسب ہو یا جو گواہ پیش کرنے ہوں وہ میسر نہ ہوں یا ان میں تبدیلی کی ضرورت ہو یا ان پر کوئی اعتراض ہو یا حملہ قرآنی تعلیم کے خلاف ہو۔ تو انہوں نے آسان راہ یہ سوچی کہ میں صرف یہ شور مچاتا رہوں کہ کچھ الزام ہیں، کچھ الزام ہیں۔ جماعت تحقیق کرے تا کہ لوگ اپنے طور پر جو الزام معلوم کریں اگر وہ ان کو غلط ثابت کر دیں تو میں کہہ دوں کہ میں نے تو یہ الزام نہیں لگائے، یہ تو آپ خود لگا رہے ہیں۔ یا تفصیلات جرح میں غلط ثابت کر دی جائیں تو میں کہہ دوں کہ میں نے تو یہ نہیں کہا تھا اور پھر اپنے مطلب کے مطابق تفصیلات گھڑ لوں۔ حالانکہ جو لوگ ان کے ساتھ متفق ہیں وہ برابر لوگوں سے کہے جا رہے ہیں کہ ہمیں الزامات معلوم ہیں اور خفیہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ دور دراز کے پیغامی بھی نہایت گندہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ جماعت احمدیہ کے سامنے انہیں وہ باتیں بیان کرنے سے ہچکچاہٹ ہے جن باتوں کو وہ میاں ملتانی اور میاں عبدالعزیز اور اَور پیغامیوں سے مزے لے لے کر بیان کر رہے ہیں وہ مبائعین سے کیوں نہیں کہتے، وہاں خالی تحقیق کی تکرار کیوں کر رہے ہیں۔ غرض مصری صاحب کی یہ حرکت ایک ایسی حرکت ہے کہ دنیا کا کوئی معقول آدمی اسے سمجھ نہیں سکتا۔ میں نے دنیا میں عجیب عجیب لوگ دیکھے ہیں مگر ایسا شخص کوئی نہیں دیکھا۔

ایک دفعہ ایک عورت میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ آپ نے اتنے محکمے بنائے ہوئے ہیں قضا ہے، امور عامہ ہے، لوکل کمیٹی ہے مگر میرا مقدمہ اتنی مدت سے دائر ہے، اس کا کوئی فیصلہ نہیں کرتا۔ میں نے کہا تم تسلی رکھو میں اس کی تحقیقات کراؤں گا۔ چنانچہ میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس کے مقدمہ کا فیصلہ ہو چکا ہوا ہے، وہ جب پھر آئی تو میں نے کہا کہ تمہارا فیصلہ تو ہو چکا ہے شکایت کس بات کی ہے۔ تو کہنے لگی کہ وہ بھی کوئی فیصلہ ہے، وہ تو میرے خلاف ہے، فیصلہ کرنا ہے تو سیدھی طرح کیا جائے یہ کیا فیصلہ ہے کہ مجھے کہہ دیا تم غلطی پر ہو۔ تو میں نے دنیا میں ایسے ایسے بیوقوف بھی دیکھے ہیں مگر ایسا بیوقوف کوئی نہیں دیکھا کہ جو کہے کہ الزامات میں لگاتا ہوں مگر انہیں میں بیان نہیں کرتا تم خود ہی معلوم کرو

اور پھر خود ہی تحقیقات کرو۔ یہ عقل و خرد سے کُلّی طور پر آزاد نظریہ میں نے صرف مصری صاحب سے ہی سنا ہے۔آخر کوئی تو وجہ ہے جو وہ اپنے عائد کردہ الزامات کو بیان نہیں کرتے۔ یا تو وہ قانون کی گرفت سے ڈرتے ہیں یا اخلاق سے اور یا پھر شریعت سے۔ وہ لوگوں کو تو کہتے ہیں کہ بے خوف ہو جاؤ مگر خود ڈرتے ہیں۔ اور جب بے خوف ہو جانے کا وعظ کرنے والا خود بے خوف نہ ہو تو دوسرے کس طرح ہو سکتے ہیں۔

انگریزوں میں ایک قصہ مشہور ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی اور سالی کے ساتھ تماشہ دیکھنے گیا۔مگر جاتے ہوئے گھر کا دروازہ بند کرنا بُھول گیا۔ واپسی پر دروازہ کُھلا دیکھا تو خیال کیا کہ کسی نے بعد میں کھولا ہے اور سمجھا کہ ضرور کوئی چور اندر چُھپا بیٹھا ہے۔مغربی تمدن میں یہ بات داخل ہے کہ عورت کو اعزاز کا مقام دینے کیلئے دعوت وغیرہ کے موقع پر پہلے اسے اندر داخل کرتے ہیں اور پھر خود ہوتے ہیں۔ اب یہ تینوں ڈرتے تھے اس لئے باہر ہی کھڑے ہو گئے۔مرد ڈرتا تھا کہ اگر میں پہلے داخل ہؤا تو ایسا نہ ہو کہ اندھیرے میں چور مجھ پر حملہ کر دے اس لئے پیچھے ہٹ کر کہنے لگا Ladies First یعنی عورتیں پہلے داخل ہوں اور اس طرح اپنی طرف سے اخلاق کا اظہار کیا حالانکہ وہ بُزدلی کا اظہار کر رہا تھا۔ جب اُس نے یہ کہا تو اُس کی سالی جھٹ بولی میں تو جا کر پولیس میں پہلے اطلاع دیتی ہوں اور دراصل اس کا مقصد یہ تھا کہ میں یہاں سے بھاگوں۔اس کی بہن کہنے لگی کہ یہ تو کبھی نہیں ہو سکتا کہ میں اس وقت تمہیں اکیلی جانے دوں میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی اور وہ بھی اس کے ساتھ چل پڑی۔ مرد نے یہ دیکھا تو جھٹ بول اُٹھا کہ بیشک چور کا معاملہ بہت اہم ہے مگر تم دونوں کا اکیلے جانا اس سے بھی زیادہ اہم ہے اور یہ کہہ کر وہ خود بھی ان کے ساتھ چل پڑا۔ یہی حال شیخ مصری صاحب کا ہے۔عجیب بات ہے کہ یہ شخص عَلَی الْاِعْلَان الزام لگاتا ہے،اس وقت تک چھ اشتہار شائع کر چکا ہے اور دستی اشتہار ملائے جائیں تو سترہ اٹھارہ بن جاتے ہیں اور شور مچا رہا ہے کہ لوگو! ظلم ہو گیا میں نے بیعت چھوڑ دی۔مگر اس سوال کا جواب کہ کیوں؟ میں نہیں دیتا تم خود تحقیقات کرو۔ حالانکہ جو الزام لگاتا ہے اس کا فرض ہے کہ بتائے اور ثبوت پیش کرے۔ نہ یہ کہ جس پر الزام لگایا جاتا ہے وہ تلاش کرتا پھرے۔ایک شخص کسی کے کان میں کہہ دے کہ تُو چور ہے اور پھر کہے کہ یہ بتا تا کیوں نہیں کہ میں نے اس پر کیا الزام لگایا ہے تو یہ الزام لگانے والے کا کام ہوتا ہے کہ بتائے کیا الزام ہے اور اس کے کیا ثبوت ہیں۔مگر مصری صاحب

ساری دنیا کو تحقیقات کیلئے بلاتے ہیں مگر کہتے یہ ہیں کہ میں بتاتا کچھ نہیں یہ بھی تم خود ہی معلوم کرو کہ الزام کیا ہیں۔

یہ کہنا بھی درست نہیں کہ کمیشن بٹھایا جائے تو ثبوت پیش کروں گا۔ کیونکہ اگر ان کو یہ امید ہے کہ جماعت خلیفہ پر کمیشن بٹھائے گی تو اس کیلئے بھی تو ان کو کوئی الزام معلوم ہوگا۔ کوئی ابتدائی ثبوت ملیں گے تو اسے ایسی تحریک ہوسکتی ہے بغیر اس کے کس طرح ہوسکتی ہے۔ آخر ایک جماعت کو بے ایمان بنانا کوئی ایسا آسان امر تو نہیں کہ مصری صاحب کہیں گے کہ چھوڑ دو خلیفہ کو اور وہ چھوڑ دیں گے۔ اگر جماعت احمدیہ کے ایمان سے مصری صاحب کو اپنے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے واقفیت نہیں تو انسانی فطرت سے تو کچھ آگاہی ہونی چاہئے۔ مومن تو الگ رہے کافر بھی محض یہ سن کر اپنے پیاروں کو نہیں چھوڑ دیتے کہ ان پر کوئی الزام لگایا گیا ہے۔ پس اگر مصری صاحب دیانت داری سے یہ سمجھتے ہیں کہ جماعت کوئی کمیشن بٹھائے گی تو بھی انہیں الزام اور بعض ثبوت دے کر جماعت میں یہ احساس پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے تھی کہ فی الواقع معاملہ اہم ہے۔ لیکن اگر وہ خود ان الزامات کو پیش کرنا بے حیائی خیال کرتے ہیں تو دوسرے ان کی جگہ پر کیوں بے حیا بنیں۔ یا اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جماعت پر تو ان باتوں کا اثر نہ ہوگا۔ میں احرار اور پیغامیوں میں پروپیگنڈا کروں تو پھر انہیں یہ جھوٹ کا ڈھونگ نہیں رچانا چاہئے تھا اور کھلے طور پر اپنے نئے دوستوں میں شامل ہو جانا چاہئے تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ چاہتے ہیں ان باتوں کی شُہرت نہ ہو اور جماعت کی بدنامی نہ ہو۔ مگر لطیفہ یہ ہے کہ یہ اشتہارات احرار اور پیغامیوں کے ذریعہ چھپتے اور تقسیم ہوتے ہیں۔

پھر میں نے اخبار ''احسان'' میں ایک نوٹ پڑھا جو اسی مضمون پر مشتمل ہے جو مصری صاحب کے خطوں سے ملتا جلتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ''احسان'' میں یہ نوٹ کیسے چھپا۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کے تعلقات ان لوگوں سے ہیں اور انہی کی شہ پر یہ کھڑے ہیں اور ساری دنیا میں ان کے اشتہار پہنچے ہیں مگر ابھی ان کو ڈر ہے کہ جماعت کی بدنامی نہ ہو۔

فخر الدین صاحب نے ایک اشتہار دیا ہے اور اس میں لکھا ہے کہ اس کے اخراج کے متعلق جو تقریر میں نے کی تھی، اس موقع پر بہت سے ہندو اور سکھ بھی موجود تھے۔ اور یہ کہ جب میں نے اس کے متعلق کم بخت وغیرہ لفظ استعمال کئے تو وہ شرم سے پانی پانی ہُوا جاتا تھا اور خیال کر رہا تھا کہ یہ لوگ احمدی

نہیں یہ کیا خیال کرتے ہوں گے کہ احمدیوں کے خلیفہ کے اخلاق ایسے ہیں۔ انہیں میرے کسی موقع پر کم بخت کا لفظ چند ہندوؤں اور سکھوں کے سامنے کہہ دینے سے تو شرم آتی تھی کہ احمدیت بدنام ہو جائے گی لیکن وہ اس بات کو چھپوا کر سارے ہندوستان میں شائع کرتے ہیں اور اس میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ شرم کا اظہار صرف طعن کے طور پر ہے اور یہ بالکل جھوٹ ہے کہ انہیں احمدیت کے بدنام ہونے کا ڈر تھا۔ ورنہ جس امر کا چھ سات آدمیوں کے سامنے بیان ہونا قابلِ شرم تھا وہ اسے لاکھوں کے سامنے پیش کرنے پر کس طرح راضی ہو گئے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا تصرف دیکھو کہ اس نے اس اشتہار میں ان کو ملزم بنا دیا ہے۔ میری نسبت تو یہ لکھتے ہیں کہ چند ہندوؤں اور سکھوں کے سامنے میں نے انہیں اور ان کے بعض ساتھیوں کو کم بخت کہا مگر لکھتے ہیں کہ مجھے شرم آتی تھی یہ ہندو اور سکھ کم بخت اپنے دل میں کیا کہتے ہوں گے۔ پھر کم بخت کا لفظ سیاہی سے مٹایا ہے مگر چھپا ہوا کہاں مٹتا ہے۔ اب اگر ان صاحب کو واقعہ میں اس پر شرم محسوس ہو رہی تھی تو اول اسے چھاپا کیوں؟ اور پھر خود اپنے ہی قلم سے ہندوؤں اور سکھوں کی نسبت جن کا کوئی قصور نہ تھا کم بخت کا لفظ ان کے قلم سے نکل گیا؟ کس قدر عجیب بات ہے کہ پانچ دس ہندوؤں سے تو انہیں شرم آ رہی تھی مگر اشتہار شائع کر کے اس کو ساری دنیا میں پھیلا دیتے ہیں اور شرم نہیں آتی اور سمجھتے ہیں کہ اب کوئی حرج نہیں۔ دنیا میں بیوقوفی کے قصے جو مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی بیوقوف نے یہ ڈھنڈورا پٹوایا تھا کہ ہم سے فلاں بیہودہ حرکت ہو گئی ہے مہربانی کر کے کوئی کسی کو بتائے نہیں۔ یہی حال میاں فخر الدین صاحب کا ہے۔ اگر پانچ چھ ہندوؤں تک اس لفظ کے پہنچ جانے سے انہیں شرم آ رہی تھی تو اشتہار شائع کر کے سارے ملک میں اس کی اشاعت کرتے ہوئے شرم کیوں نہ آئی۔ پس یا تو شرم کا دعویٰ جھوٹا ہے یا پھر وہ ویسے ہی عقلمند ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا قصہ والا شخص عقلمند تھا۔

اس کے بعد میں مصری صاحب کے اشتہار میں درج شُدہ باتوں میں سے بعض کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ پہلی بات یہ ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ جماعت نے بلا تحقیق میرے خلاف جذبۂ نفرت کا اظہار کر دیا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ بات درست ہے یا نہیں کہ مصری صاحب نے اپنے خطوں میں لکھا ہے کہ اگر مجھ سے فلاں بات نہ کی جائے تو میں جماعت سے نکل جاؤں گا۔ اور جب وہ مانتے ہیں کہ یہ درست ہے تو ظاہر ہے کہ یہ کوئی دُنیوی معاملہ تو ہو نہیں سکتا تھا۔ جیسے مثلاً کسی سکول کا ہیڈ ماسٹر مقرر کئے

جانے کا فیصلہ ہو۔ یہ بات تو ایسی ہی ہوسکتی ہے جس کی وجہ سے وہ بیعت میں رہ ہی نہیں سکتے تھے۔ پس انہوں نے اپنے اقرار سے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ انہوں نے خلیفۂ وقت پر کوئی شدید ترین الزام لگائے ہیں۔ اور جب یہ امر ان کا مسلّمہ ہے تو وہ کس طرح یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ جو لوگ مجھے سچا سمجھتے ہیں وہ ان سے اظہارِ نفرت نہ کریں گے۔ انہوں نے اگرچہ تا حال وہ الزام بیان نہیں کئے بلکہ مجھے بھی تفصیلاً نہیں لکھے اشارات ہیں جن کے پیچھے خدا جانے کیا تفصیلات ہیں۔ مگر یہ تو وہ تسلیم کرچکے ہیں کہ وہ ایسے الزام ہیں کہ ان کے بعد وہ بیعت میں نہیں رہ سکتے۔ اس لئے یقیناً وہ معمولی نہیں بلکہ خطرناک سے خطرناک ہوں گے۔ اس کے بعد وہ کس طرح توقع کرسکتے ہیں کہ وہ دوست جو مجھ سے مخلصانہ تعلق رکھتے ہیں، ان سے اظہارِ نفرت نہ کریں۔ جب وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ میں ایسے الزام لگاتا ہوں کہ جن کی موجودگی میں بیعت میں رہ ہی نہیں سکتا تو اس سے زیادہ تحقیق کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ایک غیر آدمی جسے مجھ سے اخلاص نہ ہو ایسے الزامات کو اور رنگ میں لے گا مگر جو شخص مجھے سچا سمجھتا ہے جب تک وہ دلائل کے ساتھ اسے اپنا ہم خیال نہ بنالیں وہ اگر سُنے گا کہ جسے وہ سچا اور راستباز سمجھتا ہے، اس پر کوئی شخص ایسے ایسے الزام لگاتا ہے وہ فوراً الزام لگانے والے کو جھوٹا کہے گا اور اس کا یہ کہنا بِلا تحقیق نہیں ہوگا کیونکہ اُس نے جب مجھے مانا تھا تو تحقیق کر کے مانا تھا۔ پس جو شخص اس پہلی تحقیق کے خلاف کہے گا اور مجھ پر الزام لگائے گا وہ اسے جھوٹا کہنے پر مجبور ہوگا۔

رسول کریم ﷺ کے پاس ایک یہودی آیا اور کہا کہ آپ نے میرے اتنے روپے دینے ہیں وہ اب تک دیئے نہیں۔ آپ نے فرمایا میں تو دے چکا ہوں۔ اس نے کہا نہیں۔ اس پر آپ سوچنے لگے کہ اس پر واقعہ کو کس طرح ثابت کروں۔ ایک صحابی نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ ! آپ نے روپے دے دیئے تھے۔ اس صحابی نے چونکہ دلیری اور وثوق سے کہا کہ آپ نے روپے دے دیئے تھے اور یہودی چونکہ جھوٹا تھا، گھبرا گیا اور اس نے مان لیا کہ ہاں آپ نے روپے دے دیئے تھے، مجھے یاد آگیا پہلے میں بُھول گیا تھا اور اُٹھ کر چلا گیا۔ رسول کریم ﷺ نے اس صحابی سے پوچھا کہ تمہیں کس طرح معلوم ہے کہ میں نے روپے دے دیئے تھے، تم تو وہاں نہیں تھے۔ اس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ ! آپ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے مجھ سے یہ کہا ہے اور ہم مان لیتے ہیں کیونکہ ہمیں یقین ہوچکا ہے کہ آپ راستباز ہیں، تو پھر اس معاملہ میں آپ کی بات کے صحیح ہونے میں شک کس طرح ہوسکتا تھا۔ آپ نے فرمایا آئندہ اس شخص

کی ایک کے بجائے دو گواہیاں سمجھی جائیں۔[۲]

اب دیکھو اس صحابی نے بغیر موجود ہونے کے رسول کریم ﷺ کی بات کی شہادت دی اور رسول کریم ﷺ نے سرزنش کی جگہ اس کی تعریف کی۔ گو اس میں کوئی شک نہیں کہ اصولِ شہادت کے مطابق اگر یہودی مصر رہتا تو آپ اس کی شہادت کو تسلیم نہ فرماتے مگر وہ جھوٹا تھا گھبرا گیا اور دعویٰ ترک کر دیا۔ مگر اتنا تو ثابت ہؤا کہ جب ایک شخص نے پہلے اس امر کی تحقیق کر لی ہو تو اس کے خلاف جو بات وہ سُنے اُس کا پہلا حق یہی ہوتا ہے کہ اسے ردّ کر دے۔ پس اصل سوال اس جگہ یہ ہے کہ مذہبی معاملہ میں کیا انسان بے دیکھے اور بغیر سوچے سمجھے ہی مان لیا کرتا ہے؟ اگر نہیں تو جماعت کا فعل قابلِ اعتراض کیونکر ہؤا۔ انہوں نے میری خلافت کو بلکہ خلافت موعودہ کو اگر دلائل اور براہین سے مانا ہے تو شیخ صاحب یا اور کسی شخص کے دعویٰ کو وہ قابلِ قبول کس طرح سمجھ سکتے ہیں۔ جماعت کے لوگوں کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ ہم نے سوچ سمجھ کر ایک شخص کو امام مانا ہے۔ جو اس کی نفی کرتا ہے ہم اپنی پہلی تحقیق کے مطابق اسے سچا نہیں سمجھتے۔ شیخ صاحب کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ جو میں کہتا ہوں اُس کو وزن دو اور اس کی تحقیق کرو۔ آخر یہ دُنیوی دعویٰ تو ہے نہیں کہ اس کی لازماً تحقیق کی جائے دینی دعویٰ ہے جس کی تحقیق جماعت پہلے کر چکی ہے اور اس کی بناء پر وہ مجھے خلیفہ مان چکی ہے اور اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہاموں کا مورد مان چکی ہے۔ اس تحقیق کے خلاف جو شخص بات کرتا ہے جب تک وہ اپنا دعویٰ ثابت نہ کر دے، جماعت مجبور ہے کہ اسے جھوٹا سمجھے۔ آخر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ جماعت اپنے ایمان کو مصری صاحب کے ہاتھ میں دے دے اور اپنی تحقیق کو مصری صاحب کی تحقیق کے تابع کر دے۔

حضرت خلیفہ اوّل کو یہ لوگ بھی اور ہم بھی خلیفہ مانتے ہیں۔ ان کی زندگی میں ہم عملاً مانتے تھے اور اب ایماناً مانتے ہیں۔ اب اگر کوئی آ کر کہے کہ حضرت خلیفہ اوّل نے نَعُوْذُ بِاللّٰهِ جھوٹ بولا تھا تو کیا ہمارا فرض ہے کہ فوراً تحقیقات کرنے لگ جائیں؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ ہم نے جب آپ کو مانا تھا تو تحقیقات کر کے ہی مانا تھا اور اب الزام لگانے والے کو ہم جھوٹا کہیں گے۔ ہاں جب وہ دلائل کے ساتھ ہمیں اپنا ہم خیال بنا لے تو اسے سچا کہہ سکتے ہیں ورنہ جھوٹا ہی کہیں گے اور اس کا یہ کہنا کہ مجھے بلا تحقیق جھوٹا کہا جاتا ہے، غلط ہے۔ کیا جماعت بغیر تحقیق ہی میری بیعت میں شامل ہوگئی تھی اور ہر سال جو ہزاروں لوگ شامل ہوتے ہیں بغیر تحقیق کے ہی ہو جاتے ہیں۔ جب انہوں نے تحقیق کر لی تو اب جو

شخص مجھ پر کوئی الزام لگائے میرے ماننے والے اسے جھوٹا یا فاسق یا منافق کہہ دیں تو یہ بلا تحقیق نہیں ہوگا۔ ہاں جب وہ اپنی بات کو ثابت کر کے کسی کو اپنا ہم خیال بنالے تو پھر اس کا معاملہ دوسرا ہوگا۔

پھر عجیب بات یہ ہے کہ ادھر تو مصری صاحب مانتے ہیں کہ انہوں نے مجھ پر ایسے الزام لگائے ہیں جن کی وجہ سے مَیں خلیفہ نہیں رہ سکتا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جماعت میں بہت لوگ دہریہ ہوگئے ہیں اور بہت ہو رہے ہیں۔ لیکن دوسری طرف اپنے متعلق مرتد یا منافق یا فاسق کے الفاظ بھی انہیں گوارا نہیں ہیں۔ سوال یہ ہے کہ دہریہ بڑی گالی ہے یا منافق اور فاسق وغیرہ؟ وہ اپنا حق تو سمجھتے ہیں کہ جماعت کے بہت سے حصہ کو دہریہ قرار دیں اور بہت سے حصہ کو دہریت کی طرف مائل بتائیں۔ مگر اس کے جواب میں اگر جماعت کہے کہ تمہاری اپنی بینائی میں فرق آگیا ہے اور تم خود مرتد، منافق اور فاسق ہو چکے ہو اور تمہیں اچھی چیز بھی بُری نظر آنے لگی ہے تو وہ اس کو برداشت نہیں کر سکتے۔

ڈاکٹر عبدالحکیم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لکھا تھا کہ سوائے مولوی نورالدین صاحب کے باقی سب جماعت گندی ہے اور کوئی ان میں سے اعلیٰ نمونہ پر نہیں پہنچا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ آؤ تحقیقات کریں بلکہ آپ نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ میری جماعت بالکل ٹھیک ہے اور اگر اس میں تمہیں کوئی عیب نظر آتا ہے تو اس کے یہ معنے ہیں کہ تم خود عیب دار ہو اس لئے میں تمہیں جماعت سے خارج کرتا ہوں۔ بیشک میں خود بھی بعض اوقات جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ بعض دوستوں میں کمزوریاں ہیں اور انہیں چاہئے کہ ان کو دور کریں مگر بعض دوستوں میں کمزوریوں کا ہونا اور بات ہے اور بہت سے لوگوں کا دہریہ ہونا اور۔ دہریت کے بعد باقی کیا رہ جاتا ہے۔ پس بعض احباب میں ایسی عملی کمزوریوں کے باوجود جو ایمان کے ہوتے ہوئے بھی پائی جاسکتی ہیں یہ کہنا کہ دہریت جماعت کے اندر پیدا ہو چکی ہے، اتنی بڑی گالی اور اتنا بڑا ظلم ہے کہ اس سے زیادہ ظلم اور بڑی گالی ہو ہی نہیں سکتی۔ معلوم ہوتا ہے شاید خود ان کے دل میں ایمان نہ تھا ورنہ وہ دہریت کو اتنی معمولی بات نہ سمجھتے۔ مگر عجیب بات ہے کہ وہ فاسق اور منافق کے الفاظ کو تو بڑی گالی سمجھتے ہیں مگر دوسروں کیلئے دہریہ کا لفظ بلا تکلف استعمال کرتے ہیں۔ اس کے معنی یہی ہیں کہ ان کے نزدیک دہریت بالکل معمولی چیز ہے۔ ایک مسلمان کو کہو کہ تم تناسخ کے قائل ہو تو وہ اسے بڑی گالی سمجھے گا۔ لیکن اگر کسی ہندو کو کہو تو وہ بُرا نہیں منائے گا کیونکہ وہ اس کا قائل ہے۔ اسی طرح ان کا دوسروں کو اِس بے تکلفی سے دہریہ

کہنے کا مطلب یہی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں دہریت کوئی بُری چیز نہیں ۔تو شیخ صاحب خود تو جماعت کو دہریہ کہتے ہیں مگر یہ بھی کہتے ہیں کہ تمہیں کوئی حق نہیں کہ مجھے منافق یا فاسق کہو۔ اگر وہ کہیں کہ میں نے ساری جماعت کو تو نہیں کہا مگر جب وہ کہتے ہیں بہت سارے دہریہ ہو چکے ہیں تو جو باقی رہ گئے وہ کیا ہوئے ۔ جب جماعت کے اندر ایک گندی رَو پیدا ہو چکی ہو تو پھر اچھا کون رہ سکتا ہے۔عبدالحکیم نے بھی تو ساری جماعت کے متعلق یہ نہیں کہا تھا اس نے بھی یہی کہا تھا کہ مولوی صاحب کامل مومن ہیں اور مصری صاحب بھی یہی کہہ رہے ہیں ۔ان کے نزدیک کامل تو وہ خود، فخرالدین صاحب اور حکیم عبدالعزیز ہیں اور باقی جماعت ابھی ضلالت پر ہی قائم ہے ۔ایک شخص جماعت سے نکلتا اور جماعت پر اور خلیفہ پر اتہام لگاتا اور پھر کہتا ہے کہ مجھے جھوٹا نہ کہو بلکہ خلیفہ کو بُرا کہو، میں نہیں سمجھتا ایک عقلمند کی عقل اور مُحب کی محبت پر اس سے زیادہ حملہ اور کیا ہوسکتا ہے ۔انہوں نے جماعت پر دہریت کا الزام لگایا۔ مولوی ابوالعطاء صاحب نے انہیں چیلنج دیا کہ سَو ایسے لوگوں کے نام جو دہریہ ہوگئے ہوں اور سَو ان کے جو دہریت کی طرف جارہے ہوں بتا دیں اور باوجود اس چیلنج کے کئی بار دُہرائے جانے کے وہ ایسے نام پیش نہیں کرتے ۔تو ہم انہیں جھوٹا نہیں تو اور کیا کہیں گے ۔

اب میں بتاتا ہوں کہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ الزام لگانے والا ثبوت دے ۔شریعت اُس کا جس پر الزام لگایا جائے ، ساتھ دیتی ہے اور ثبوت کا بار الزام لگانے والے پر ڈالتی ہے ۔ یہ نہیں کہتی کہ ثبوت لوگ تلاش کرتے پھریں ۔ مثلاً کوئی شخص زید یا بکر کے پاس آئے اور کہے کہ فلاں شخص حرامزادہ ہے اور جب آگے سے کہا جائے کہ ثبوت لاؤ تو کہے کہ میں نے بتا دیا، اب ثبوت تم خود تلاش کرتے پھرو۔ ایسے موقع پر مومنوں کو تو شریعت کا یہ حکم ہے کہ فوراً کہہ دیں **سُبْحَانَکَ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ** ۔اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے **وَلَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْہُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِھِمْ خَیْرًا وَ قَالُوْا ھٰذَا اِفْکٌ مُّبِیْنٌ** [3]۔ پھر فرمایا **وَلَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْہُ قُلْتُمْ مَّایَکُوْنُ لَنَا اَنْ نَتَکَلَّمَ بِھٰذَا سُبْحَانَکَ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ** ۔[4] یعنی جب کوئی شخص دوسرے مومن کے متعلق کوئی عیب کی بات کہے تو وہ آگے سے فوراً جواب دے کہ **سُبْحَانَکَ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ** ۔اے میرے ربّ ! تُو پاک ہے اور یہ بہت بڑا بہتان ہے ۔

پھر فرمایا کیوں نہ مومنوں نے اِفک کا الزام سنتے ہی کہہ دیا کہ یہ بہت بڑا جھوٹ بنایا گیا

ہے۔اور جب یہ کہا جائے کہ یہ بڑا جھوٹ بنایا گیا ہے تو کیا اس کے یہ معنے نہیں کہ اس الزام کا لگانے والا جھوٹا ہے۔تو اب بتاؤ کہ جب قرآنی تعلیم کے مطابق کوئی شخص ایسے موقع پر کہے کہ یہ الزام لگانے والا جھوٹا ہے تو وہ آگے سے یہ کہہ سکتا ہے کہ کس قدر ظلم ہے۔ مجھے بلا تحقیق ہی جھوٹا کہہ دیا گیا ہے۔مگر قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کی شان یہی ہے کہ فوراً کہہ دے ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ ۔اور یہ اگلے کا فرض ہے کہ دلیل لائے۔مگر یہاں دلیل لانا تو الگ رہا الزام تک بیان نہیں کیا جاتا۔حالانکہ قرآن کریم نے صاف طور پر یہ اصول بتایا ہے کہ دلیل اور ثبوت الزام لگانے والے کے ذمہ ہے۔ اسے چاہیئے کہ اپنے ثبوت پیش کرے اور پھر اگر وہ شریعت کے مطابق ہوں تو مومن مان لے۔اور اگر کوئی دلائل بیان نہیں کرتا تو قرآن کریم صاف کہتا ہے کہ تم کہہ دو ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ یعنی یہ شخص جھوٹ بھی معمولی نہیں بول رہا بلکہ کذّاب ہے۔کاذب خالی بُہتان کا ترجمہ ہے اور بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ کا ترجمہ کذاب ہے۔

قرآن کریم کی یہ تعلیم ہی ہے جو دنیا میں امن قائم رکھ سکتی ہے ورنہ کسی شریف آدمی کی عزت محفوظ نہیں۔فرض کرو کوئی شخص شیخ صاحب کی بیوی یا بیٹی پر کوئی الزام لگائے تو کیا وہ اُس کے ہاتھ چُومیں گے اور کہیں گے جَزَاکَ اللّٰہُ آپ نے بہت اچھا کیا جو مجھے بتا دیا میں اس کی تحقیقات کروں گا۔کیا جن لوگوں نے حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا پر الزام لگایا رسول کریم ﷺ نے اُن کو بلا کر اپنے پاس بٹھایا اور کہا کہ تم لوگوں نے بڑا احسان کیا ہے؟ یا یہ کیا کہ آپ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا کہ ایک شخص نے میرے اہل کے متعلق مجھے بہت دکھ پہنچایا ہے،کون ہے جو میری مدد کرے۔اس پر قبیلہ اوس کے ایک شخص نے کہا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اگر وہ ہمارے قبیلہ میں سے ہے تو ہم اس کو سزا دیں گے اور اس کا مقابلہ کریں گے۔[۵] آپ نے یہ تو نہیں کیا تھا کہ الزام لگانے والے پر دستِ شفقت پھیرا اور کہا ہو کہ اچھا میں تحقیق کروں گا۔تو قرآن کریم کا یہی فیصلہ ہے کہ ایسی بات سنتے ہی کہہ دو کہ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ اور یہ حکم تو ایک معمولی مومن کے متعلق ہے اور خلیفہ سے تو بیعت کا بھی تعلق ہوتا ہے۔اگر یہ لوگ کسی ادنیٰ مومن پر بھی کوئی الزام لگاتے تو شریعت کا یہی حکم ہے کہ مومن سنتے ہی کہہ دے کہ یہ شخص کذّاب ہے۔

شیخ مصری صاحب کہتے ہیں کہ مجھے دو سال سے ان باتوں کا علم تھا اور پھر کہتے ہیں کہ مجھے منافق نہ کہو مگر سوال یہ ہے کہ منافق کسے کہتے ہیں؟ وہی جو ظاہراً جماعت کے ساتھ شامل ہو مگر اندر سے

مخالف ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ انہیں دو سال سے علم تھا کہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ میری بیعت کی جائے۔ مگر پھر بھی جماعت میں شامل تھے اور اِسی کو منافق کہتے ہیں۔ منافق صرف دینی امور میں ہی نہیں دُنیوی امور میں بھی کوئی شخص منافق ہوسکتا ہے۔ جو شخص کسی کارخانہ میں ملازم ہے اور تنخواہ لیتا ہے اور پھر اس کارخانہ کے راز بھی دوسروں کو بتاتا ہے، اسے بھی ہم منافق ہی کہیں گے۔ منافق وہ نہیں ہوتا جو اسلام سے نکل جائے بلکہ منافق جماعت کے اندر شامل ہوتا ہے اور شامل ہوتے ہوئے مخالفت کرتا ہے۔ تو مصری صاحب اپنی منافقت کا اقرار کرتے ہیں مگر پھر بھی چاہتے ہیں کہ جماعت منافق کو منافق نہ کہے۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ دو سال سے مجھے ان باتوں کا علم تھا۔ اور منافق کیلئے کسی معیاد کی شرط نہیں خواہ کسی کے خیالات بگڑ جائیں اور وہ دو روز ہی ان کو چُھپا کر اس جماعت سے فائدہ اُٹھاتا رہے وہ منافق ہے۔ اور خیالات بگڑنے کی صورت میں اس کا فرض ہے کہ اُسی وقت فیصلہ کرے۔ یا تو تسلی کرلے اور یا پھر جماعت سے الگ ہو جائے۔ مگر جو شخص یہ تسلیم کرتا ہے کہ اس کی حالت دو سال سے ایسی تھی اور ہماری تحقیقات یہ ہے کہ ان کی یہ حالت اس سے بھی بہت پُرانی تھی مگر چونکہ ہماری تحقیقات تابع ہے ان الزامات کے اس لئے جب وہ ان کو ظاہر کریں گے اُسی وقت ہم بھی کریں گے۔

پھر مصری صاحب لکھتے ہیں کہ ”آپ اس بھائی کو جو محض آپ لوگوں کو ایک خطرناک ظلم سے جس سے آپ میں سے اکثر بے خبر ہیں کے پنجہ سے چُھڑانے کیلئے اپنی عزت، اپنا مال، اپنی سبیلِ معاش، اپنا آرام، اپنے اہل وعیال کا آرام، اپنے عزیز بچوں کی تعلیم سب کچھ قربان کر کے نکلا ہے“۔ گویا تمہیں ایسا گندہ خلیفہ ملا ہوا تھا جو جماعت کو تباہ کر رہا اور دہریت کی طرف لے جا رہا تھا۔ میں نے تمہاری خیر خواہی کی اور تمہاری خاطر اس قدر قربانی کی اور پھر تم میرے دشمن ہوگئے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگانے والوں نے قربانی نہ کی تھی۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْا اُولِى الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۔[6] حضرت عائشہؓ پر الزام لگانے کی وجہ سے تین اشخاص کو کوڑے لگے تھے جن میں سے ایک حسان بن ثابت تھے جو آنحضرت ﷺ کا شاعرِ اعظم تھا اور ایک مسطح تھا جو حضرت عائشہؓ کا چچا اور حضرت ابوبکرؓ کا خالہ زاد بھائی تھا۔ وہ اس قدر غریب آدمی تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے گھر میں ہی رہتا، وہیں کھانا کھاتا اور آپ ہی اس کیلئے کپڑے

بنواتے تھے اور ایک اَور عورت ان کے ساتھ تھی ان تینوں کو سزا ہوئی تھی ۷۔ تو کیا کوئی کہہ سکتا تھا کہ ان کو نقصان کا کوئی احتمال نہ تھا کون نہیں جانتا کہ عداوتوں اور دشمنیوں کی وجہ سے لوگ خود نقصان اٹھا کر بھی دوسروں کو ذلیل کرتے ہیں۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان کو نقصان کا کوئی احتمال نہ تھا۔ کون نہیں جانتا کہ عداوتوں اور دشمنیوں کی وجہ سے لوگ خود نقصان اُٹھا کر بھی دوسروں کو ذلیل کرتے ہیں۔ کیا مصری صاحب کی قربانی حسان اور مسطح سے زیادہ ہے؟ خود قرآن کریم گواہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے قسم کھائی تھی کہ اب میں مسطح کی مدد نہیں کروں گا۔ ۸ مگر چونکہ یہ جرم حکم قرآنی کے نازل ہونے سے پہلے کا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا۔ وہ تو معذور تھے مگر تیرہ سَو سال تک یہ قرآنی حکم سننے کے بعد جو مجرم بنے وہ کس طرح اپنی بریت کر سکتا ہے۔ جو قربانی مصری صاحب نے کی ہے اس سے بڑھ کر مسطح نے کی تھی۔ اس کے کھانے اور کپڑے تک کا کوئی انتظام نہ تھا حتیٰ کہ اس کے پاس رہنے کیلئے کوئی مکان تک نہ تھا وہ بدری صحابی بھی تھا۔ پس اس سے بڑھ کر مصری صاحب میں کون سی چیز ہے۔ اسی طرح حسان بھی صحابی تھے اور شاعر اسلام تھے۔ کیا یہ لوگ سمجھتے تھے کہ جب ہم حضرت عائشہؓ پر الزام لگائیں گے تو ہماری بڑی عزت ہوگی اور حضرت ابوبکرؓ بُلا کر ہمارا وظیفہ مقرر کر دیں گے؟ نہیں بلکہ انہیں خوب علم تھا کہ کس قدر مشکلات کا سامنا ہوگا۔ مسطح اچھی طرح جانتا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ روٹی کپڑا بند کر دیں گے اور مکان سے بھی نکال دیں گے اور حسّان پر تو ایک صحابی نے تلوار سے حملہ کر دیا تھا اور ایک دوسرے صحابی نے بچایا کہ سزا دینا رسول کریم ﷺ کا کام ہے تمہارا نہیں۔ جس طرح کہ آج میں شریعت کا واسطہ دے کر احباب جماعت کو روکتا رہتا ہوں کہ دیکھنا جماعت کو بدنام نہ کرنا۔ یہ لوگ ہمارے محلوں میں جاتے اور احمدیوں کے مکانوں کے اندر اشتہار پھینک کر آتے ہیں اور اس طرح اشتعال دلاتے ہیں۔ ان کی طرف سے فساد انگیزی میں کوئی کسر باقی نہیں۔ یہ میری اس تعلیم کی وجہ سے ہی ہے کہ اپنے جوشوں کو قابو میں رکھو اور کوئی ایسی حرکت نہ کرو جس سے احمدیت بدنام ہو۔ یہ لوگ یہاں اس قدر اشتعال انگیزی کے باوجود امن سے رہ رہے ہیں ان دنوں ان کی زندگیوں کی ایک ایک گھڑی میرے احسان کے نیچے ہے۔ میں ہی ہوں جو خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت کی طبائع کو ٹھنڈا کرتا ہوں اور میری ہی متواتر ہدایات کی وجہ سے لوگ اپنے جوشوں کو دبائے ہوئے ہیں۔ ورنہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کے متعلق بھی کوئی اس قسم کی باتیں کر سکتا ہے؟

مستریوں نے جب اس قسم کے الزام لگائے تو میں نے اُن کو بُلایا تھا اور دریافت کیا تھا کہ سنا ہے تم ایسی باتیں کرتے ہو۔ پہلے تو بیٹا کہنے لگا کہ نہیں میں نے تو آپ کے متعلق یہ خواب دیکھا تھا، بھلا میں ایسی باتیں کرسکتا ہوں؟ اور باپ نے کہا کہ یہ تو مجھے سمجھا تا رہتا ہے مگر آہستہ آہستہ انہوں نے اقرار کرلیا۔ اس پر میں نے انہیں کہا کہ جانے دو اِس بات کو کہ مَیں خلیفہ ہوں، جانے دو احمدیت کے جتھے کو۔ تم جانتے ہو فلاں شخص نماز نہیں پڑھتا اور فلاں شخص شراب پیتا ہے اور ان کی حیثیت گاؤں میں وہ نہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے حاصل ہے مگر تمہاری جرأت ہے کہ بازار میں جا کر کہو کہ فلاں شخص شراب پیتا ہے یا فلاں شخص نماز نہیں پڑھتا؟ تم ہرگز یہ جرأت نہیں کرسکتے کیونکہ تمہیں معلوم ہے کہ اگر ایسا کہا تو اس قدر جُوتے پڑیں گے کہ سر پر ایک بال نہیں رہے گا۔ پھر قادیان میں مجھے جو مالکانہ حیثیت حاصل ہے اسے بھی جانے دو۔ تم کسی گاؤں میں دو گھماؤں ملکیت رکھنے والے کسی شخص کے متعلق ہرگز ایسی باتیں کرنے کی جرأت نہیں کرسکتے اور اس طرح گویا تم اپنے فعل سے شہادت دیتے ہو کہ مَیں شریف ہوں اور پُرامن ہوں۔ ورنہ جو باتیں تم میرے متعلق کہتے ہو ان کا سوواں بلکہ ہزارواں حصہ بھی کسی اور کے متعلق تم نہیں کہہ سکتے۔ اور اب یہی بات میں اِن لوگوں سے کہتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ جماعت کے ۸۰ فیصدی لوگ ہمارے ساتھ ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ اسّی فیصدی نہیں نوے پچانوے بلکہ ننانوے فیصدی سہی بلکہ ۳/۴۔۹۹ فی صدی سہی۔ قادیان میں اِس وقت آٹھ ہزار احمدی ہیں۔ ان میں سے ۳/۴۔۹۹ فی صدی بھی اگر ان کے ساتھ ہوں اور صرف ۲۴ ہی میرے ساتھ۔ مگر کیا جس کے واسطے ۲۴ آدمی بھی جان دینے کو تیار ہوں اُس کے متعلق کوئی ایسی باتیں کرسکتا ہے؟ بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ جس کے ساتھ ایک بھی آدمی نہ ہو اُس کے متعلق بھی کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کیا دنیا میں لوگ اشتعال میں آکر خود بدلہ نہیں لے لیتے؟ آخر ہم لوگ ایسے خاندان سے تو تعلق نہیں رکھتے جس نے کبھی لڑائی میں ہاتھ نہ ڈالا ہو۔

ہمارے خاندان کی تاریخ جنگی تاریخ ہے اور اب بھی ہمارا فوج کے ساتھ تعلق ہے۔ میں نے خود میرزا شریف احمد صاحب کو فوج میں داخل کرایا ہے اور اب ان کا ایک لڑکا فوج میں شامل ہو رہا ہے۔ ہمارے تایا صاحب نے غدر کے موقع پر جنگ میں نمایاں حصہ لیا۔ ہمارے دادا فوجی جرنیل تھے۔ دلی کے بادشاہوں کی چٹھیاں ہمارے پاس محفوظ ہیں جن میں اس امر کا اعتراف ہے کہ ہمارا خاندان ہی

تھا جس نے سکھوں کے زمانہ میں اسلام کی حفاظت کے لئے قربانیاں کیں۔ پس اِن کا مجھ پر حملہ اس لئے نہیں کہ میں بُزدل ہوں یا میرا خاندان جرأت نہیں رکھتا بلکہ صرف اس لئے ہے کہ یہ جانتے ہیں کہ ان کی شرارتوں کا جواب میں شرارت سے نہیں دوں گا اور صبر سے اِن کے ظلموں اور شرارتوں کو برداشت کروں گا۔ ایسے لوگ اور کسی پر اعتراض نہیں کرتے، صرف مجھ پر ہی کرتے ہیں۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ وہ مجھ پر اعتراض کریں گے اور میں اِن کی حفاظت کروں گا۔ وہ مجھے گالیاں دیں گے اور میں اِس امر کا خاص خیال رکھوں گا کہ انہیں کوئی تکلیف اور دُکھ نہ پہنچے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ وہ دوسروں پر حملہ نہیں کرتے۔

مؤمن ربانی ہوتا ہے۔ پہلے وہ چھوٹی اصلاح شروع کرتا ہے۔ بیسیوں عیوب ان کے اِردگرد موجود ہیں ان کے گھروں میں اور ان کے دوستوں میں پائے جاتے ہیں یہ لوگ کیوں ان کی اصلاح کیلئے کھڑے نہیں ہوتے؟ کیوں ان کے متعلق اشتہار شائع نہیں کرتے؟ مجھ پر ان کا حملہ بتاتا ہے کہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ میں پُرامن ہوں ورنہ دنیا میں کسی ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی پر بھی کوئی شخص اس طرح حملہ کرنے کیلئے تیار نہیں ہوسکتا جس طرح مجھ پر حملہ کیا جاتا ہے۔ گویا میں اس وسیع دنیا میں ایک ہی یتیم اور بے کس ہوں جس کی عزت پر حملہ کرنا کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔ مگر دشمن نادان ہے، بیشک بظاہر مَیں ایک ہی یتیم ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ گو انسان مجھے چھوڑ دیں مگر خدا تعالیٰ مجھے نہیں چھوڑے گا۔ میں نے اِس دنیا میں ان لوگوں سے جو میری محبت کا دم بھرتے تھے، ظلم پر ظلم دیکھے ہیں مگر ایک ہے جس نے مجھے کبھی نہیں چھوڑا اور اُسی کے منہ کیلئے میں یہ سب ظلم برداشت کررہا ہوں۔ یہ خلافت میرے لئے پھانسی سے کم ثابت نہیں ہوئی۔ لوگوں نے مجھے تختۂ دار پر کھینچا اور فخر کرنے لگے کہ انہوں نے مجھے تخت بخش دیا ہے مگر میرے خدا نے مجھے کہا کہ یہ تُو سب کچھ برداشت کر اور اُف نہ کر کیونکہ تیرے دکھ میرے لئے ہیں نہ کہ بندوں کیلئے۔ پس جن کیلئے تیرے دُکھ نہیں تیرا حق نہیں کہ ان سے صلہ کا امیدوار ہو۔ تیرا کام بندوں کیلئے بغیر اُجرت کے ہے مگر تُو بے اُجرت نہیں چھوڑا جائے گا۔ میں خود تیرے زخموں پر مرہم رکھوں گا اور تیری ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو جوڑ دوں گا۔ انسانوں نے بیشک تیرے ساتھ ظلم کیا ہے مگر کیا میری محبت اس ظلم کا کافی سے زیادہ بدلہ نہیں؟ اور کیا میری محبت کا دعویٰ کرتے ہوئے اس کے سوا تجھے اور کسی چیز کی خواہش ہوسکتی ہے؟ میرے رب کی یہی آواز ہے جس نے تاریکی کے وقتوں میں میرا ساتھ دیا ہے اور جب میرا دل

بیٹھنے کو ہوتا تھا تو اُس نے میرے دل کو سہارا دیا ہے ورنہ مجھ پر ہزاروں گھڑیاں آئی ہیں کہ موت مجھے حیات سے زیادہ عزیز تھی اور قبر کا کونہ گھر کے کمروں سے مجھے زیادہ پیارا تھا۔

میں باتوں باتوں میں دور نکل گیا۔ میں ذکر یہ کر رہا تھا کہ حسان اور مسطح بھی اپنا نقصان کر کے کھڑے ہوئے تھے۔ ان کی روٹیاں اور کپڑے، ان کے مکان، ان کی عزتیں، غرضیکہ ہر چیز خطرہ میں تھی۔ تو کیا اس سے یہ سمجھ لیا جائے کہ حضرت عائشہؓ پر ان کا الزام صحیح تھا؟ اگر یہ دلیل کوئی قیمت رکھتی ہے کہ انہوں نے اپنا نقصان کر کے یہ فتنہ شروع کیا ہے اس لئے وہ جو کہتے ہیں صحیح ہے تو میں کہتا ہوں کہ پہلوں نے بھی نقصان اُٹھا کر ہی ایسا کیا تھا مگر ان کے متعلق قرآن کریم کا صاف حکم ہے کہ وہ کذاب تھے۔ پس ان لوگوں کو کونسی زائد پوزیشن حاصل ہے کہ ان کو کذاب نہ کہا جائے۔ پھر یہ بھی درست نہیں کہ مصری صاحب نے کوئی قربانی کی ہے۔ انہوں نے پہلا خط فخر دین صاحب کے اخراج کے بعد لکھا ہے۔ اگر وہ کسی قربانی کیلئے تیار تھے تو چاہئے تھا کہ پہلے لکھتے۔ لیکن جب دیکھا کہ پارٹی ٹوٹنے لگی ہے تو خط میں مجھے دھمکی دی کہ فخر دین صاحب کو معافی دے دو ورنہ پردے فاش ہو جائیں گے۔ وہ سمجھتے تھے کہ میں ڈر جاؤں گا اور معاف کر دوں گا۔ تو اس خط سے ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ ڈرا کر فخر دین صاحب کیلئے معافی حاصل کی جائے۔ یہ بھی کوئی قربانی ہے کہ کوئی شخص کسی سے آ کر کہے کہ یہ کام کر دو ورنہ تمہارا گھر لُوٹا جائے گا۔ پہلے خط میں انہوں نے لکھا ہے کہ فخر دین صاحب کو معاف کر دیں ورنہ بڑی بدنامی ہوگی۔ تو یہ خط کسی قربانی کیلئے نہیں بلکہ فائدہ اُٹھانے کیلئے لکھا گیا ہے۔ یہ اس غرض سے لکھا گیا تھا کہ ان کا جو دوست جماعت سے باہر کر دیا گیا ہے اُسے پھر شامل کر لیا جائے۔ پس یہ خط فائدہ اٹھانے کیلئے لکھا گیا تھا نہ کہ کسی قربانی کیلئے۔ اگر یہ فخر دین صاحب کی خاطر نہیں لکھا گیا تھا تو جب وہ کہتے ہیں ان باتوں کا دو سال سے مجھے علم تھا تو فخر دین صاحب کے اخراج کا انتظار کیوں کرتے رہے۔ اس مرحلہ پر خط لکھنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ ان کے مزعومہ اعتراضات کا اظہار خود الزامات کا باعث نہ تھا بلکہ میاں فخر دین صاحب کو بچانے کیلئے تھا۔ مصری صاحب بتائیں تو سہی کہ فخر دین صاحب کے اخراج کے بعد کونسے ایسے نئے حالات پیدا ہو گئے تھے جن کی وجہ سے وہ مجبور ہو گئے کہ وہ ان الزامات کا اظہار کریں۔ اگر تو کوئی نئے حالات پیدا ہو گئے ہوتے تو ہم سمجھ لیتے کہ یہ خط ان حالات کی وجہ سے لکھا گیا لیکن ایسا نہیں ہے۔ پس واقعہ یہی ہے کہ اگر فخر دین صاحب جماعت میں رہتے تو باوجود مصری صاحب کو میرے مزعومہ عیوب

کا علم ہونے کے وہ بھی جماعت میں رہتے اور میاں فخر دین صاحب بھی اور میاں عبدالعزیز بھی۔ گویا میرے عیوب مستقل وجود نہیں رکھتے وہ صرف فخر دین صاحب کے اخراج کے ساتھ مل کر مکمل ہوتے ہیں۔ پس اس سے صاف ثابت ہے کہ ان خطوط کے لکھنے کا محرک پارٹی کے ٹوٹنے کا خدشہ یا غصہ تھا۔

تیسرے خط میں شیخ صاحب نے لکھا ہے کہ مجھے معلوم ہو چکا ہے اب آپ سے نرمی کرنا سلسلہ کے ساتھ غداری ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ دو سال تک یہ مسئلہ کیوں نہ سُوجھا۔ ۱۳ روز کے اندر اندر ہی یہ رموز اِن پر کُھلے، دو سال پہلے کیوں نہ کھلے۔ اِس الزاموں والے خط میں بعض جگہ تو الزام نمایاں ہیں گو مجمل اور تشنۂ تفصیل اور بعض جگہ یہ پتہ ہی نہیں لگتا کہ وہ کہتے کیا ہیں۔ ان دونوں طریقوں سے صاف پتہ لگتا ہے کہ پہلا خط اِس غرض سے تھا کہ دھمکیوں سے ڈر کر مَیں اِن کی بات مان لوں اور وہ جو چاہیں مجھ سے کرا سکیں۔ جیسے دلی میں بادشاہ گر ہوتے تھے یہ خلیفہ گر بننا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ظاہر میں تو مَیں لیکن باطن میں وہ خلیفہ ہوں۔ مگر انہیں کیا معلوم کہ خدا اور انسان کے بنائے ہوئے خلفاء میں کیا فرق ہوتا ہے۔ خدا کا بنایا ہوا خلیفہ کبھی کسی سے نہیں ڈرتا۔ کیا میں اس بات سے ڈر جاؤں گا کہ لوگ مرتد ہو جائیں گے؟ جس کے لئے ارتداد مقدر ہے وہ کل کی بجائے بیشک آج ہی مرتد ہو جائے، مجھے کیا فکر ہے۔ میں جب جانتا ہوں کہ میں خدا کا بنایا ہوا خلیفہ ہوں تو خواہ ایک آدمی بھی میرے ساتھ نہ ہو تو بھی مجھے کیا ڈر ہے۔ جب خدا تعالیٰ خود مجھے تسلیاں دیتا ہے تو میں انسانوں سے کیوں ڈروں۔ ادھر یہ لوگ مجھے ڈراتے اور اُدھر خدا تعالیٰ مجھے تسلیاں دیتا ہے۔ اِن چند روز میں اس کثرت سے مجھے الہام اور رؤیا ہوئے ہیں کہ گزشتہ دو سال میں اتنے نہ ہوئے ہوں گے۔ ابھی چند روز ہوئے کہ مجھے الہام ہوا جو اپنے اندر دعا کا رنگ رکھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ''اے خدا! میں چاروں طرف سے مشکلات میں گھرا ہوا ہوں تُو میری مدد فرما''۔ اور پھر اس کے تین چار روز بعد الہام ہوا جو گویا اس کا جواب ہے کہ ''میں تیری مشکلات کو دُور کروں گا اور تھوڑے ہی دنوں میں تیرے دشمنوں کو تباہ کر دوں گا''۔ آخری الفاظ ''تباہ کر دوں گا'' یا ''برباد کروں گا'' یا ''مٹا دوں گا'' تھے، صحیح طور پر یاد نہیں رہے۔ تو جب خدا تعالیٰ خود مجھے تسلیاں دیتا ہے تو میں بندوں سے کیوں ڈروں۔ اور کیا ان واقعات کے بعد میں کسی بندے پر اعتماد کر سکتا ہوں؟ شیخ عبدالرحمٰن مصری میرے بچپن کے دوست تھے مگر آج ان کے اقرار کے بموجب وہ دو سال سے میرے خلاف مواد جمع کر رہے تھے مگر ہماری تازہ تحقیق کے مطابق اس سے بھی بہت پہلے سے کینہ دل میں

چھپائے بیٹھے تھے۔ پھر میں کسی انسان پر کس طرح بھروسہ کر سکتا ہوں۔

فتح مکہ کے بعد رسول کریم ﷺ نے پانچ اشخاص کے متعلق حکم دیا تھا کہ جہاں بھی ملیں مار دیئے جائیں۔ ان میں سے ایک ہندہ بھی تھی مگر وہ چادر اوڑھ کر دوسری عورتوں کے ساتھ بیعت کرنے آ گئی۔ رسول کریم ﷺ نے جب بیعت لیتے لیتے کہا کہ کہو ہم شرک نہ کریں گی تو چونکہ وہ بڑی دلیر عورت تھی اس سے نہ رہا گیا۔ کہنے لگی کیا ہم لوگ ایسے ہی بیوقوف ہیں کہ اب بھی شرک کریں گے۔ آپ اکیلے تھے اور ہم سارے تھے، ہم نے مخالفت کی مگر آپ ہم میں سے ایک ایک کر کے سب کو چھین کر لے گئے آخر آپ جیتے اور ہم ہارے کیا اس کے بعد بھی ہم شرک کر سکتے ہیں؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کون ہے؟ ہندہ؟۔ مطلب یہ تھا کہ میں نے تو اس کے قتل کا حکم دیا تھا۔ وہ کہنے لگی کہ اب تو میں مسلمان ہو چکی ہوں اب آپ مجھے نئے گناہ پر سزا دے سکتے ہیں پُرانے پر نہیں، وہ معاف ہو گئے۔[9] یہی حال میرا ہے خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار انسانوں کی کمزوری پر آگاہ کر دیا ہے پھر کیا میں اب بھی بندوں پر بھروسہ کر سکتا ہوں۔ میں نہ آدمیوں سے خوش ہوں اور نہ ان کے ریزولیوشنز سے۔ میں تو صرف اس لئے خوش ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخالفوں کی طرح سارے سانپ لا کر رکھ دیں میرے خدا کا سانپ ان سب کو نگل جائے گا۔ اگر ایک شخص بھی تم میں سے میرے ساتھ نہ رہے تو بھی مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ کیونکہ میرا خدا مجھ سے کہتا ہے کہ میں تیرا ساتھ دوں گا پھر مجھے کسی اور کی کیا ضرورت ہے۔

اِنہی دنوں میں مَیں نے ایک رؤیا دیکھا ہے وہ بھی مخالفوں کے تباہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک درختوں کا چھوٹا سا جنگل ہے جس میں کچھ درخت ہیں اور کچھ کھُلا میدان ہے اور تین چار پائیاں پڑی ہیں۔ دو شرقاً غرباً اور ایک شمالاً جنوباً۔ ان میں سے ایک پر میں بیٹھا ہوں اور ایک پر ایک بچہ اور ایک عورت بیٹھے ہیں۔ وہ عورت اگر چہ محرم معلوم ہوتی ہے مگر اُس وقت اُس کا نام ذہن میں نہیں آتا۔ میں نے یکدم دیکھا کہ بھورے رنگ کا ایک سانپ جو قریباً ڈیڑھ گز لمبا ہے چارپائی کے نیچے سے نکلا ہے۔ میرے پاس چھوٹی سی سوٹی ہے میں نے دَوڑ کر اُسے مارا، سوٹی اُس کی کمر میں لگی اور وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ دومونہی ہے اور اُس کی دُم اور سر دونوں ہی میں زندگی کے آثار معلوم ہوتے ہیں (جیسا کہ عوام میں مشہور ہے کہ دومونہی سانپ میں دو زندگیاں ہوتی ہیں سر کی

طرف بھی اور دُم کی طرف بھی ) مگر اب اس میں بھاگنے اور حملہ کرنے کی طاقت نہیں رہی ۔ وہ کھسکتا ہے ۔عورت اس کے پاس آئی مگر بچہ وہیں بیٹھا رہا۔ وہ لکڑی کے ساتھ اُسے ہلاتی ہے ۔ میں بھی ایک سرا ہلا رہا ہوں اور میں دیکھتا ہوں کہ وہ سانپ چھوٹا ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ ڈیڑھ بالشت کے قریب رہ گیا اور ساتھ ہی پتلا بھی ہوتا گیا۔ پھر دائیں طرف ایک درخت کے نیچے آگ جلتی ہوئی نظر آئی ۔ میں نے اس عورت سے کہا کہ اِس کا ایک ٹکڑا لکڑی سے تُم اٹھاؤ اور ایک میں اُٹھاتا ہوں اور اسے آگ میں ڈال دیں تا جل جائے ۔ میں نے تو ایک ٹکڑا آگ میں ڈال کر اوپر بوجھ رکھ دیا اور وہ جل کر راکھ ہو گیا۔ دوسرا حصہ جو اس عورت کو میں سمجھتا ہوں ہماری رشتہ دار ہے مگر خیال نہیں کہ کون ہے، آگ میں ڈالنے کیلئے کہا تھا وہ اس نے پھینکا تو بجائے آگ کے وسط میں گرنے کے آگ کے آخری حصہ میں جا گرا۔ اس پر میں کہتا ہوں کہ یہ آگے نکل نہ جائے اس لئے میں نے ایک اینٹ اُٹھا کر اُس کے اوپر پھینک دی تا وہ اچھی طرح جل جائے پھر اُسے آگ لگ گئی اور وہ جل گیا۔ مگر اس کا سر ایک چھوٹی انگلی کی اوپر کی پور کے برابر آگ سے نکل کر جھاڑی کی جڑ کی طرف چلا گیا۔ میں اسے بھی مارنا چاہتا ہوں مگر وہ چھوٹا ہونے کی وجہ سے نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے ۔ اب اس کی یہ تعبیر بھی ہوسکتی ہے کہ اس فِتنہ کا تھوڑا سا حصہ باقی رہ جائے گا اور یہ بھی کہ بالکل تباہ ہو جائے گا۔ کیونکہ کہتے ہیں کہ سانپ جب زخمی ہو جائے تو پھر بچ نہیں سکتا۔ پس اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ یہ اِس طرح ذلیل ہوں گے کہ کوئی اثر ان کا جماعت میں نہ رہے گا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایسے کچھ لوگ ذلیل ہو کر مخفی مخفی جماعت میں شامل رہیں جس طرح رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں بعض منافق رہ گئے تھے۔ جنہوں نے بعد میں بہت سی گندی روایات تاریخِ اسلامی میں داخل کر دیں یہ بھی اندر رہ کر فتنہ پیدا کرتے رہیں ۔ پس میں نہ بندوں پر اعتماد کرتا ہوں اور نہ ریزولیوشنز پر۔ میرا بھروسہ تو اپنے خدا پر ہے ۔

میں بتا رہا تھا کہ یہ بالکل غلط ہے کہ مصری صاحب نے کوئی قربانی کی ہے ۔ پہلے انہوں نے مجھے ڈرا کر فائدہ حاصل کرنا چاہا اور اِسی کوشش میں جب اِن کا اندرونہ ظاہر ہو گیا تو وہ سمجھ گئے کہ اب تو مجھے نکال ہی دیں گے ۔ اس لئے خود ہی لکھ دیا کہ اگر چوبیس گھنٹے تک میری تسلی نہ کی گئی تو میں جماعت سے علیحدہ ہو جاؤں گا۔ حالانکہ پہلے خط میں صاف لکھا تھا کہ فخر دین صاحب کو معاف کر دو تو بدنامی سے بچ جاؤ گے ۔ بیشک انہوں نے ایک جواری کی طرح ایک ہی دفعہ بازی لگا دی تھی کہ اگر ڈر گئے تو ہم

ساری عمر کیلئے سر پر سوار ہو جائیں گے اور اگر نہ ڈرے تو جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ڈر سے محفوظ رکھا اور وہ چونکہ اپنے اندرونہ کو ظاہر کر چکے تھے اور سمجھتے تھے کہ اب ہم جماعت میں نہیں رہ سکتے اس لئے آخری خط میں نوٹس دے دیا۔

اِسی قسم کا ایک خط مجھے ایک عورت نے ایک دفعہ لکھا تھا جو یہیں قادیان میں رہتی ہے۔ ان کے خاوند یہاں کارکن ہیں۔ بیوی کو شکایت پیدا ہوئی کہ یہاں کام زیادہ ہے اور دیر تک ان کا خاوند گھر پر نہیں آ سکتا۔ اس غصہ میں مجھے لکھا کہ میں نے اپنے خاوند کو کہا ہے کہ یہاں کی نوکری چھوڑ کر باہر چلے چلو لیکن وہ نہیں مانتے اس لئے اب آپ کو لکھتی ہوں کہ انہیں مجبور کریں کہ یہاں سے استعفیٰ دے کر باہر چلیں۔ اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو پھر یاد رکھیں کہ میں اب زندگی سے تنگ آ گئی ہوں میں آپ کا مقابلہ کروں گی اور مجھے آپ کے بہت سے راز معلوم ہو گئے ہیں۔ آپ مجھے مستریوں کی طرح نہ سمجھیں وہ کمزور تھے مگر میرے ساتھ بڑے بڑے آدمی ہیں۔ میں نے صرف اُس کے خاوند کو اس خط کا علم دے دیا اور کچھ نہ کیا۔ وہ تو عورت تھی اور میں نے اس کی ان باتوں کو پاگلانہ باتیں سمجھ کر کچھ بھی نہیں کہا۔ مگر مصری صاحب تو تعلیم یافتہ آدمی ہیں ہیڈ ماسٹر تھے، معزز عُہدوں پر رہ چکے تھے، مصری کہلاتے تھے، کوئی نادان عورت تو نہ تھے۔ انہوں نے پھر کیسے خیال کر لیا کہ میں ان باتوں سے ڈر جاؤں گا۔

ان کا تیسرا خط بعد میں آیا۔ اس سے پہلے میجر سید حبیب اللہ شاہ صاحب کو میں ان کے خط کا بتا چکا تھا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ کیا کوئی صورت نہیں کہ جس سے معافی ہو جائے۔ میں نے ان سے کہا کہ میں یہی سوچ رہا ہوں۔ مگر انہوں نے کوئی رستہ بھی میرے لئے نہیں چھوڑا اور میرے لئے کوئی اور چارہ کار رہنے ہی نہیں دیا سوائے اس کے کہ میں بے غیرت بنوں۔ بہرحال وہ سمجھدار آدمی تھے اور جانتے تھے کہ ان خطوط کے بعد معافی کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا اور چونکہ انہیں اچھی طرح علم تھا کہ اس حرکت کی وجہ سے ضرور نکالا جاؤں گا اس لئے انہوں نے سوچا کہ میں خود ہی کیوں نہ یہ بات لکھ دوں تا لہو لگا کر شہیدوں میں تو مل جاؤں اور یہ تو کہہ سکوں کہ میں نے قربانی کی ہے۔ ان کی مثال تو ایسی ہی ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی کے مکان پر جا کر قبضہ کر لے اور سامان وغیرہ اکٹھا کر لے کہ اتنے میں جب گھر والے دس بارہ آدمی آ کر اسے پکڑیں تو کپڑے جھاڑ کر اُٹھ کھڑا ہو اور کہہ دے کہ اچھا میں قبضہ چھوڑتا ہوں۔ اور پھر دعویٰ کرے کہ میں نے بڑی قربانی کی ہے۔ وہ اپنے عمل کے خمیازہ میں جماعت سے نکلے ہیں،

اس میں قربانی کونسی ہے۔قربانی تو جب تھی کہ پہلے ہی خط میں یہ لکھتے مگر اُس میں تو صرف اس پر زور ہے کہ فخر دین کو معاف کر دیں اور میری جو بدنامی آپ کر چکے ہیں اس کا ازالہ کریں۔ بلکہ ایک جگہ تو صرف یہی مطالبہ ہے کہ فخر دین صاحب کو معاف کر دیں۔اس میں قربانی کی کونسی بات ہے۔ ہاں جب وہ اپنا اندرونہ ظاہر کر چکے اور انہیں اچھی طرح علم ہوگیا کہ اب جماعت میں مجھے نہیں رہنے دیا جائے گا تو تیسرے خط میں یہ فقرہ لکھ دیا کہ میں بیعت سے علیحدہ ہو جاؤں گا۔

مجھے افسوس ہے کہ باقی مضامین کے متعلق میں آج کچھ بیان نہیں کر سکا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو پھر کبھی باقی باتوں کے متعلق بیان کر دوں گا۔ بہرحال یہ بالکل غلط ہے کہ انہوں نے کوئی قربانی کی۔انہوں نے سَودا کرنا چاہا اور جواری کی طرح بازی لگا دی مگر ہار گئے۔ وہ مجھے نہ ڈرا سکے تو کہا اچھا میں جماعت سے نکلتا ہوں۔ ورنہ نہ ان پر کوئی ظلم ہوا اور نہ انہوں نے کوئی قربانی کی۔ بلکہ انہوں نے خود ظلم کیا ہے کہ جماعت کے امام پر درندوں کی طرح حملہ کیا اور خدا کی مقدس جماعت کو دہریہ کہا۔ اس کے مقابلہ میں جماعت نے ان کو جو کچھ کہا وہ اس سے بہت کم ہے۔

(الفضل ۳۰؍جولائی ۱۹۳۷ء)

---

۱؎ المائدۃ: ۹

۲؎ ابوداؤد کتاب القضاء باب اذا علم الحاکم صدق شھادۃ الواحد (الخ)

۳؎ النور: ۱۳　　　۴؎ النور: ۱۷

۵؎ بخاری کتاب التفسیر باب لولا اذ سمعتموہُ......الخ

۶؎ النور: ۲۳

۷؎

۸؎